نیّت اور عمل

خرّم مراد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمُ

عَنْ اَمِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِی حَفْصٍ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَالِکُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰی، فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ یَنْکِحُهَا. فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ"

(بخاری مسلم)

باسمہ

نیک اعمال کرنا ہم سب چاہتے بھی ہیں اور جتنا بن پڑے کرتے بھی ہیں۔ یہ نیک اعمال طرح طرح کے ہوتے ہیں اور طرح طرح کے لوگ یہ اعمال کرتے ہیں۔ ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہر عمل جو دیکھنے میں نیک دکھائی دیتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا؟ یا کوئی ایسی شرائط ہیں کہ جن کا ظاہری شکل صورت کے علاوہ بھی عمل کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اور جن کے بغیر عمل قبول نہیں ہوگا۔

اس اہم سوال کا جواب اس حدیث میں دیا گیا ہے جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اس حدیث کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضورؐ کو ارشاد فرماتے سنا: **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰی، فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَاةٍ یَنْکِحُهَا. فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ.**

آپؐ نے فرمایا: بے شک سارے اعمال اپنی نیتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی کہ وہ نیت کرے۔ مثلاً جس نے اللہ اور رسولؐ کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہوئی اور جس نے اس لیے ہجرت کی کہ کچھ دنیا حاصل کرے، یا کسی عورت سے نکاح کرے، تو اس کی ہجرت اسی طرف شمار ہوگی جس طرف اس نے ہجرت کی۔

یہ حدیث بخاری، مسلم اور دیگر کتابوں میں روایت کی گئی ہے۔ تھوڑا بہت الفاظ کا اختلاف ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔ گویا انھوں نے ہزاروں احادیث کے مجموعے میں اس کو سب سے اول رکھا اور احادیث کے پورے مجموعے کا عنوان بنایا۔ اگرچہ انھوں نے جس باب کے تحت درج کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وحی کس طرح شروع ہوئی لیکن وحی کے بیان سے پہلے وہ اس حدیث کو نفس مضمون اور تعلیم کے لحاظ سے درج کرتے ہیں۔

محدثین اور علما نے اسے بہت عظیم الشان احادیث میں شمار کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے قول کے مطابق اس حدیث میں ایک تہائی دین موجود ہے۔ اس لیے کہ ایک تہائی دین تو یہی ہے کہ جو عمل بھی ہو اللہ کے لیے ہو۔ وہ حدیث جس کے مطابق سارے جسم کی بھلائی اور برائی دل کے لوتھڑے پر منحصر ہے، وہ بھی ان تین احادیث میں سے ہے جن پر سارا دین قائم ہے۔ انہی تین میں سے یہ حدیث بھی ہے جس میں نبی کریمؐ نے نیت کے بارے میں بیان فرمایا ہے: اعمال تو نیت کے مطابق ہوتے ہیں۔

عمل کس چیز کو کہتے ہیں؟ عمل کے معنی ہیں کام کرنا۔ مثلاً نماز ایک عمل ہے، روزہ ایک عمل ہے، غریبوں کے اوپر خرچ کرنا ایک عمل ہے، جہاد میں شریک ہونا اور شہید ہونا بھی

عمل ہے، اس طرح کے بے شمار اعمال ہیں جو ہر آدمی اپنے ہاتھ، پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضا سے کرتا ہے۔ یہ سارے کے سارے اعمال اس حدیث کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان کی اصل قیمت اور حیثیت کا تعین عمل کی ظاہری شکل وصورت سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعین اس نیت سے ہوتا ہے جو اس عمل کے پیچھے ہو۔ کام جس غرض کے لیے جس مقصد کے لیے کیا گیا ہے، اس سے یہ بات طے ہوگی کہ عمل کا درجہ کیا ہے؟ یہ قبول ہوگا یا نہیں؟ اس پر اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر ملے گا تو کتنا؟

نیت کے معنی کیا ہیں؟ نیت کے معنی ہیں: کسی کام کا ارداہ کرنا اور پھر یہ طے کرنا کہ میں یہ کام کس لیے کر رہا ہوں۔ خواہ یہ بات آدمی زبان سے کہے یا نہ کہے، اس بات کے لیے کوئی مخصوص الفاظ استعمال کرے کہ میں نیت کرتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے، یا نہ کرے۔ لیکن دل میں جس چیز کا بھی مقصد ہے، جو مطلوب ہے، جو دل نے طے کیا ہے کہ میں اس عمل سے کیا چاہتا ہوں، وہ دراصل نیت ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں عمل تو انسان کے جسم کا کام ہے، اور جسم کے اندر ہاتھ پاؤں سب شامل ہیں، اور نیت اس کے دل کا کام ہے۔ اس طرح اسی بات کی مزید تشریح ہوگئی کہ دل سدھر جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے اور اگر دل بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔

دل کے اندر جو سب سے پہلی چیز سدھرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جو کام بھی ہم کرتے ہیں، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ کام ہم کس لیے کرتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی بات کہی گئی ہے، اسی بات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ اعمال نیت کے مطابق ہوتے ہیں، اس کو مختلف انداز میں لوگوں نے سمجھا ہے یا سمجھا جا سکتا ہے۔ جو فقہا تھے انھوں نے کہا کہ جس عمل کی نیت صحیح نہ ہو وہ عمل ہی صحیح نہیں ہوگا۔ شافعی اس مسلک کے قائل ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ عمل صحیح ہونے کا مدار نیت کے صحیح ہونے پر ہے۔ حنفی اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ عمل کا ثواب نیت پر منحصر ہے، عمل تو صحیح ہو جائے گا۔ اگر نیت غلط ہوگی تو نماز تو ہو جائے گی، وضو ہو جائے گا، روزہ ہو جائے گا لیکن ثواب نیت کے مطابق ملے گا۔

لیکن اگر آپ غور سے دیکھیں تو حدیث کا مطلب ان دونوں سے زیادہ وسیع ہے۔ حدیث کے الفاظ میں صرف اس بات سے بحث نہیں ہے کہ عمل صحیح ہوگا یا غلط ہوگا۔ اگر کسی نے ہجرت کی، وطن چھوڑا، مدینے گیا، یا کسی دوسرے ملک میں گیا تو ہجرت تو ہو جائے گی، اور نہ صرف اتنی بات ہے کہ اس کا ثواب اس کو کتنا ملے گا، بلکہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ عمل تو دراصل ایسی چیز ہے جو قبول ہونا چاہیے اور اس میں برکت بھی ہونی چاہیے اور اس کے اثرات دل پر ہونا چاہییں، اور ساری زندگی پر پڑنے چاہییں۔ عمل کو ایک پودے کی طرح پھلنا اور پھولنا چاہیے۔ نیت کی حیثیت ایک بیج کی ہے۔ اگر بیج میں خرابی ہوگی تو اس میں نہ برکت ہوگی نہ نشوونما ہوگی۔ نہ وہ پھلے گا پھولے گا اور نہ اس کے اندر ترقی ہوگی۔ اور اگر بیج صحیح ہوگا، نیت صحیح ہوگی تو نہ صرف یہ کہ وہ عمل قبول ہوگا، بلکہ اس میں برکت ہوگی ۔نہ صرف اس عمل کا ثواب ملے گا بلکہ وہ عمل پھلے پھولے گا۔ اس کی شاخیں، اس کے پتے اور اس کے پھول انسان کی زندگی، اس کے کردار اور اعمال میں پھلیں گے اور اس کو حسن اور خوب صورتی عطا کریں گے۔ گویا دوسرے الفاظ میں جس عمل کی نیت صحیح ہوگی وہ اللہ کے یہاں قبول ہوگا۔ جس کی نیت صحیح نہیں ہوگی وہ قبول نہیں ہوگا، بلکہ اٹھا کر اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ یہ بات ہے جو اس حدیث میں کہی گئی ہے کہ: انما الا عمال بالنیات۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کام تو پورا وہی کر رہا ہے جو کیا جانا چاہیے۔ وہ نماز پڑھتا ہے، وضو کرتا ہے، کھڑا ہوتا ہے۔ قیام، سجدہ، رکوع، تلاوت ساری چیزیں بجا

لاتا ہے۔ دوسرا آدمی بھی وہی کام کرتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بظاہر کوئی فرق نہیں۔ ایک آدمی تلوار بندوق لے کر نکلتا ہے، میدان جنگ میں جاتا ہے اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے۔ دوسرا آدمی بھی یہی سب کچھ کرتا ہے۔ کوئی شکل صورت میں فرق نہیں۔ اسی طرح ایک آدمی اپنا گھر چھوڑتا ہے، ترک وطن کرتا ہے، سفر کرتا ہے، دوسری جگہ جا کر بستا ہے۔ دوسرا بھی یہی کرتا ہے۔ دونوں نے شکل صورت کے لحاظ سے ہجرت کی ہے۔ پہلے نے نماز پڑھی، دوسرے نے جہاد کیا، شہادت پائی، تیسرے نے ہجرت کی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے اعمال کے قبول ہونے یا نہ ہونے کا انحصار نیت پر ہے۔

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اصل چیز تو ہمارا اپنا ارادہ ہے۔ اللہ نے جس چیز پر ہمیں اختیار بخشا ہے وہ ہمارا ارادہ ہے۔ جس بات کے لیے وہ ہم کو آزمارہا ہے وہ بھی یہی ہے کہ ہم ارادہ کیا کرتے ہیں۔ کام کا ہونا نہ ہونا، یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ممکن ہے ہم نماز پڑھنے نکلیں، اور راستے میں روک دیے جائیں۔ کوئی حج کے لیے نکلے اور راستہ بند ہو جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعمال اس کے اختیار سے باہر ہو جائیں۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جو آدمی کے بالکل اختیار میں ہے اور وہ اس کے دل کی نیت اور ارادہ ہے۔ اس ارادے اور نیت کی طاقت اور اختیار اللہ نے ہمیں اور آپ کو سب کو بخشا ہے۔ انسان کی آزمائش یہی ہے کہ ہم میں سے کون اپنے اختیار اور ارادے کو اپنی مرضی سے اللہ کی راہ پر چلنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ اس لحاظ سے بھی عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم کیونکہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوں، اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب ہمیں عطا فرمائے، تو جو کام ہم اللہ کے ثواب کی نیت سے نہ کریں، اس کا ثواب آخر اس سے کیوں پائیں؟ چنانچہ ایک

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اعلان فرمائے گا کہ تم نے جن لوگوں کو بھی اپنی نیتوں میں شامل کیا، جن لوگوں کے بارے میں تم نے سوچا کہ ہم ان سے اپنا اجر حاصل کریں گے، ان کے پاس جاؤ اور ان سے اپنا اجر و ثواب طلب کرو۔ اگر تم نے اس لیے کیا کہ لوگ مجھے اچھا مسلمان سمجھیں تو لوگوں سے جا کر ثواب طلب کرو۔ اگر تم شہید اس لیے ہوئے کہ لوگ کہیں کہ یہ تو بڑا بہادر تھا یا اس لیے ہوئے کہ قوم کی بلندی اور حمیت پیش نظر تھی تو قوم سے ہی اجر لو۔ اگر خرچ اس لیے کیا کہ لوگ کہیں یہ تو بڑا سخی ہے، غریبوں کا ہمدرد ہے تو ثواب اور اجر بھی ان سے ہی حاصل کرو۔

ظاہر ہے کہ دنیا کے اندر تو یہ ہو سکتا ہے کہ غرض کچھ اور ہو نتیجہ کچھ اور نکلے، لیکن آخرت میں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور وہی نتیجہ نکلے گا جو کرنے والے کے سامنے اور پیش نظر ہے۔ اگر کرنے کے پیش نظر اللہ اور رسول تھے تو پھر اس کے سب کاموں کا خواہ وہ نماز ہو، روزہ ہو، زکوٰۃ ہو، حج ہو، ہجرت ہو، غریبوں کی ہمدردی ہو، اپنے فرائض کی ادائیگی ہو، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی ہو، ان سب کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ اگر یہ مقصود ہی نہ ہو، یہ نیت ہی نہ ہو، یہ غرض ہی نہ ہو کہ ہمیں اس کا اجر اور ثواب اللہ سے حاصل کرنا ہے۔ تو پھر اس کا ثواب اور اجر اس سے نہیں ملے گا۔ یہ وجہ ہے کہ اعمال کا سارا کا سارا دارو مدار نیت پر ہے۔

یہ حدیث براہ راست واضح طور پر تو نہیں کہتی کہ نیت کیا ہونی چاہیے، اور کون سی نیت اللہ کے یہاں قبول ہے اور اس کے علاوہ کوئی نیت قبول نہیں ہے، لیکن بالواسطہ یہ بات بالکل کھل کر بیان کی گئی ہے۔ ہجرت کی جو مثال نبیؐ نے بیان کی ہے اس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، یعنی جس نے اللہ اور رسول کی طرف یا اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کی، اس کی

ہجرت تو اللہ اور رسول کے حساب میں جائے گی۔ ان کی ہجرت قبول ہوگی اور ان کے حساب میں لکھی جائے گی۔ لیکن اگر وہ ہجرت کسی اور نیت سے ہوئی، دنیا کے لیے ہوئی، کسی تجارت کے لیے ہوئی، مالی نفع کے لیے ہوئی، کسی عورت سے نکاح کے لیے ہوئی تو وہ ہجرت اس کے حساب میں لکھ دی جائے گی جس کے لیے وہ ہجرت کی گئی۔

دوسرے الفاظ میں اس حدیث کا بالکل بنیادی اور بڑا اہم مطالبہ یہ ہے کہ جو کام بھی ہم کریں وہ صرف اس لیے کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو۔ جو کام کریں اللہ کے لیے کریں، اس کی رضا کے لیے کریں۔ مال خرچ کریں تو اس کے لیے کریں، نماز پڑھیں تو اس کے لیے پڑھیں، سیاست کریں تو اس کے لیے کریں، تجارت کریں تو اس کے لیے کریں۔ کام کی ظاہری شکل صورت سے یہ طے نہیں ہوتا کہ اس کا اجر کیا ملے گا۔ اگر ایک آدمی دنیا کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس نماز کا کوئی اجر نہیں۔ اگر ایک آدمی اس لیے روزی کماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ اپنے بچوں کا پیٹ بھرے، غریبوں کی مدد اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے تو اس کا روزی کمانا اللہ کے نزدیک بڑا محبوب اور بڑا مقبول عمل ہے۔ تلوار چلانا، خون بہانا بظاہر ایک بڑا خراب کام ہے لیکن یہی کام اگر اس لیے ہو کہ اللہ کا دین غالب ہو، زمین پر اسلام قائم ہو اور خدا کی مرضی یہاں چلے تو یہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ درجے کا محبوب کام ہے۔ ہم جو عام طور سے یہ تقسیم کرتے ہیں کہ یہ کام دینی کام ہے اور یہ دنیاوی کام ہے اور یہ کام سیاسی کام ہے، اس طرح کی کوئی تفریق اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام میں ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی کے مطابق اس کو خوش کرنے کے لیے، اس کے حکم کے مطابق ہو وہ بظاہر کتنا ہی دنیوی کیوں نہ ہو، وہ دینی کام ہے۔ ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی کے مطابق نہ ہو، اس کو خوش کرنے کے لیے نہ ہو، اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو، وہ بظاہر کتنا ہی دینی کام کیوں نہ ہو، وہ دنیاوی کام ہوتا ہے۔

ایک اور بڑی لرزہ انگیز حدیث ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور تین آدمی لائے جائیں گے۔ ایک قرآن کا عالم اور اس کا درس دینے والا ہوگا۔ دوسرے اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہوگا۔ اور تیسرا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہوگا۔ تینوں کو اللہ تعالیٰ اپنے احسانات جتائے گا۔ قرآن والے سے کہے گا: میں نے تجھے قرآن کا علم دیا، تو نے اس سے کیا حاصل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے قرآن کو بھی پڑھا، سمجھا اور بیان بھی کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ نہیں، تو نے تو یہ کام اس لیے کیا کہ لوگ کہیں کہ یہ شخص تو قرآن کا بڑا اچھا عالم اور بڑا اچھا درس دینے والا ہے۔ شہید سے پوچھے گا: میں نے تجھے جسم دیا، لڑنے کی صلاحیت دی، جوانی دی، تو نے انھیں کس کام میں صرف کیا؟ اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑا، میں نے جان قربان کی۔ اللہ کہے گا: نہیں تو نے یہ اس لیے نہیں کیا کہ تو مجھے خوش کرے۔ جس کو مال دیا تھا، اس سے پوچھے گا: میں نے تجھے اتنا سارا مال دیا۔ تو نے اس کا کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اس مال کو میں نے دن رات تیری راہ میں خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو نے یہ اس لیے کیا کہ لوگ کہیں کہ یہ تو بڑا سخی ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے۔ حدیث میں پھر یہ الفاظ آتے ہیں کہ تینوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تو گویا یہ دینی اعمال، تعلیم قرآن، شہادت اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، ان کی بھی قبولیت کا دارومدار ان کی نیت پر ہے۔ جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوا، وہ قبول ہوا اور جو نہیں ہوا، وہ قبول نہیں ہوا۔

اس بات کو قرآن مجید میں بہت ہی واضح الفاظ میں بار بار کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ ۹۸ : ۵) اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں تو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرلیں۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر ۲۹ : ۳) ”ساری اطاعت، ساری

بندگی، سارا نظام اللہ کے لیے خالص ہونا چاہیے"۔

اس کے لیے قرآن مجید نے دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ ایک اللہ کی رضا کی تلاش، یعنی جو کام اس لیے کیا جائے کہ اس کام کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو، وہ ہم سے خوش ہو جائے اور دوسرے یہ کہ لوجہ اللہ کیا جائے۔ وجہ کہتے ہیں، چہرے کو۔ جب آپ کسی کی طرف چہرہ کرتے ہیں تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چہرہ پوری شخصیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس کی طرف چہرہ کیا، اس کی طرف پوری شخصیت کا رخ ہو گیا۔ اس کے بالکل لفظی معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے چہرے کے لیے کام کرتے ہیں۔ یریدون وجھہ وہ اس کا چہرہ تلاش کرتے ہیں، اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا مقصود اللہ کی توجہ، اس کی خوشنودی اور اس کی رضامندی ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے یہ دو الفاظ اور استعمال کیے ہیں اور جہاں بھی مال دینے کا ذکر کیا ہے وہاں فرمایا: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (اللیل ۹۲: ۲) اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب اعلیٰ کے چہرے یعنی اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔ جو لوگ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، غریبوں کی خدمت کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ یہ نیکی کے کام صرف ان لوگوں سے قبول ہوں گے جو یہ کام کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدہر ۷۶: ۹) ہم تو جو کچھ بھی تم کو کھلا رہے ہیں لوجہ اللہ صرف اللہ کی خوشنودی اور توجہ کے لیے کھلا رہے ہیں۔ نہ ہمیں تم سے کوئی بدلہ چاہیے اور نہ کوئی شکر گزاری چاہیے۔ لوگ تو اتنا سا دے کر کہتے ہیں کہ ہم نے اتنا دیا اور یہ احسان بھی نہیں مانتے۔ اس طرح اجر ضائع ہو جاتا

ہے۔قرآن نے اسے بہت کھول کر بیان کیا ہے۔ایک جگہ فرمایا ہے: جو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی چٹان پر مٹی ہو۔اس پر بارش ہوتو پانی سب مٹی بہالے جائے گا۔زمین کے حصّے میں کوئی نمی نہیں آتی ہے۔جیسے بارش ساری مٹی کو بہالے جاتی ہے، اسی طرح ان کے سارے اعمال بہہ جاتے ہیں۔اور جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی باغ ہو جہاں مٹی نم ہو، زرخیز ہو، ذرا سا بھی پانی گرے توتُؤْ تِیْ اُکُلَهَا ضِعْفَیْنِ کھیتی کئی گنا پھلتی اور پھولتی ہے۔اور اگر وہاں پر مٹی نہ ہو اور بارش نہ بھی ہو تو ذرا سی نمی بھی اس کے لیے کافی ہوتی ہے اور فوراً پھل پھول نکلنے لگتے ہیں۔

اللہ کی رضا کی تلاش سامنے ہونا چاہیے۔ہر چیز اسی سے وابستہ ہے۔ایک مسلمان کے لیے زندگی میں سب سے اہم سوال یہ ہونا چاہیے کہ میں یہ کام کس لیے کر رہا ہوں؟ اور اگر وہ کام اللہ کے لیے ہے اور اللہ کو ناپسند نہیں ہے تو کرنا چاہیے۔جو کام اللہ نے منع کیے ہیں، وہ اللہ کے لیے کرنے سے نیک نہیں ہو جاتے۔کوئی آدمی کہے: میں چوری کروں گا، ڈاکہ ڈالوں گا، کسی کا حق ماروں گا، لیکن غریبوں کی مدد کروں گا۔بہت سے لوگوں کا یہ فلسفہ بھی ہوتا ہے کہ ہم چوری کر کے، ڈاکہ ڈال کر لوگوں کی مدد کریں۔جو کام اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے اور حرام کر دیا ہے، اس کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا رہی ہے۔یہ بات تو کہی ہی ان اعمال کے بارے میں جا رہی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور ان کا حکم دیا ہے کہ یہ کام اگر اچھی نیت سے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور بری نیت سے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔

اس کے بعد ایک اور بات کہی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ لِکُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰی ہر آدمی

کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ یہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی تاکید ہے۔ وہ تو ایک اصول تھا جو حضورؐ نے بیان فرمادیا۔

پھر اس کی تاکید کے لیے ہماری آپ کی زندگی سے متعلق کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ محض اصول نہیں ہے، بلکہ تمہارے لیے وہی کچھ ہے جس کی تم نیت کرو۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پھر آدمی کے ثواب کی مقدار اس کی نیت کے مطابق ہو۔ نیت میں جتنا اخلاص ہوگا، نیت میں جتنی اللہ کی طرف توجہ ہوگی اتنا ہی ثوب ہوگا۔ ایک اور معنی اس کے یہ ہو سکتے ہیں کہ ہر آدمی کے لیے اپنی ہی نیت کا ثواب ہو۔ دوسرے کی نیت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کہ دوسرا کوئی نیت کرے تو اس سے اسے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہر آدمی کو جو اجر و ثواب ملے گا، کوئی اس کو فائدہ پہنچے گا، تو یہ ثواب اور اجر صرف اس کی اپنی نیت کے نتیجے میں ملے گا، اس لیے کہ اعمال کا سارا دارومدار نیت پر ہے۔ اور جس کام کی آدمی نیت کرے اسی کا اجر اس کے لیے ہے۔ میں یہاں پر ان فقہی بحثوں میں نہیں جا رہا کہ نیت کا زبان سے کہنا ضروری ہے یا نہیں ہے اور نیت نہ ہو تو اعمال صحیح ہیں یا غلط ہیں، اس لیے کہ یہ فقہی مسائل میری گفتگو کا موضوع نہیں ہیں۔ میرا تو موضوع ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں، اپنے دل کو پاکیزہ بنائیں، اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص کریں۔

نیت کا مقام دل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اعمال کو صحیح کرنے کے ساتھ، اپنے دل کو بھی پاک کرنا بہت ضروری ہے۔ ہم میں سے بے شمار لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ نکالتے ہیں اور بھی کوئی کار خیر آئے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کی راہ میں مال دیتے ہیں، کوئی غریب آ جائے تو اس کے ہاتھ میں خیرات بھی تھما دیتے ہیں، رشتہ داروں کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کاموں میں غلط نیت نہ ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اجر

ضائع نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ غلط نیت نہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اجر ضائع نہیں کرے گا۔ لیکن ان اعمال کی تاثیر ہے، ان کا زندگی پر اثر پڑنا چاہیے، ان سے جو برکت زندگی کے اندر پیدا ہونی چاہیے، وہ نہیں ہوگی۔ میں نے آپ کو بیج اور درخت کی مثال دی تھی۔ اس کے مطابق یہ تو پھر ایسا ہے کہ آپ نے بیج ڈال دیا، اس بیج میں جو کچھ ہے وہ تو آپ کو مل جائے گا، لیکن اس سے زیادہ کچھ ملنا مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ نے خلوص کے ساتھ سوچ سمجھ کر یہ ارادہ کیا کہ کام اللہ ہی کے لیے ہے تو پھر تاثیر بھی ہوگی اور برکت بھی۔ اسی لیے ہمارے فقہا نے نیت کے الفاظ مقرر کیے ہیں۔ اس کو بعض لوگ ضروری سمجھتے ہیں اور بعض لوگ نہیں سمجھتے۔ اس کی جو تعلیم دی گئی ہے کہ میں نیت کرتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے، روزہ کے لیے بھی، نماز کے لیے بھی، وہ اسی لیے ہے تاکہ ہر قدم پر آدمی زبان سے بھی کہے اور دل کے اندر بھی یاد کرے کہ یہ کام اللہ کے لیے ہے۔ جب یہ کام اللہ کے لیے ہوگا تو وہ محض قبول ہی نہیں ہوگا، بلکہ اس کی برکت زندگی کے اندر نظر آئے گی۔ اس کے اثرات زندگی پر پڑیں گے۔ یہ پھلے پھولے گا اور اس کے اثرات پوری زندگی میں انسان جگہ جگہ محسوس کر سکے گا۔

اس حدیث کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جو ہمیں اپنے سامنے رکھنے چاہییں۔ ایک بہت اہم پہلو اس کے اندر یہ ہے کہ اس حدیث نے ہم کو جس بات کی تعلیم دی ہے، اس میں اس نے ہجرت کا مقصد سامنے رکھا کہ جس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوئی، اللہ اور رسول کی طرف ہوئی، تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے مانی جائے گی اور جس نے دنیا کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے کی، تو اس کی ہجرت اسی حساب میں جائے گی۔ آپ غور کریں تو ہجرت کا فعل اپنی جگہ بہت دینی اور نیک فعل ہے۔

ہجرت کئی قسم کی ہو سکتی ہے۔ ہجرت صرف یہ نہیں ہے کہ آدمی مکہ چھوڑ کر مدینہ چلا

جائے۔ یہ ہجرت اب ختم ہوگئی۔ احادیث کے اندر ہے کہ یہ ہجرت اب نہیں رہی۔ لیکن یہ ہجرت کہ جو چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں، ان کو چھوڑ کر آدمی ان چیزوں کی طرف جائے جو اللہ کو پسند ہیں، یہ ہجرت تو ہر وقت ہر لمحے ہو سکتی ہے، زندگی کے ہر کام میں ہو سکتی ہے، ہر شعبے اور دائرے کے اندر ہو سکتی ہے۔ ہم یہ دیکھیں کہ وہ کون سے کام ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں اور وہ کون سے کام ہیں جو اس کو پسند ہیں۔ ناپسندیدہ کاموں کو چھوڑ کر، ان کاموں کی طرف جانا جو اس کو پسند ہیں، یہ بھی ایک حدیث کی رو سے ایک قسم کی ہجرت ہے۔ لیکن یہ کام بھی اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر اللہ کے لیے ہوگا تو اللہ کی طرف سے اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔ اور اگر اللہ کے لیے نہیں ہوگا تو اللہ کے پاس اس کا اجر اور ثواب نہیں ہوگا۔

اس حدیث کا ایک اور بڑا عجیب اور بڑا لطف انگیز پہلو یہ ہے کہ اگر نیت موجود ہو۔ اور عمل نہ ہو سکے تو عمل کا پورا ثواب آدمی کو ملتا ہے۔ یہ بات ایک دوسری حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھنے کا جو قانون بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ عمل کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا کر دیتا ہے۔ اور اگر برائی کا ارداہ کرتا ہے اور پھر اس سے رک جاتا ہے اور برائی نہیں کرتا تو برائی اس کے کھاتے میں نہیں لکھی جاتی۔ اگر برئی کر لیتا ہے تو پھر ایک برائی اس کے کھاتے میں لکھی جاتی ہے۔ یہ بات بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ اگر آدمی نیکی کی نیت اور ارادہ کر لے اور کسی وجہ سے نہ کر سکے، تو اس کا ثواب پورے کا پورا اس کو ملتا ہے۔

غزوہ تبوک کے بارے میں ایک حدیث ہے۔ غزوہ تبوک میں لوگوں نے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ سخت گرمی میں گئے تھے، فصل پکی ہوئی تھی۔ مدینے کے مٹھی بھر لوگ تھے

جن کا رومن ایمپائر کی بہت بڑی فوج سے مقابلہ تھا۔لوگ کانپ رہے تھے، ڈر رہے تھے۔ منافقین نے تو جانے سے انکار کر دیا تھا اور بہانے بنا رہے تھے۔حضورؐ اس حالت میں مسلمانوں کی فوج لے کر رومیوں کے مقابلے پر گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مدینے میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اس جہاد پر نہیں نکلے، وہ تمھارے ساتھ راستہ بھی نہیں چلے، کسی وادی میں نہیں اترے۔کسی گھاٹی پر نہیں چڑھے، لیکن وہ تمھارے پورے ثواب میں شریک ہیں۔صحابہؓ کو بڑا تعجب ہوا۔انھوں نے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ نہ انھوں نے ہمارے ساتھ سفر کیا، نہ اسلحہ لیا، نہ کوئی گھاٹی اور وادی طے کی، نہ پہاڑی پر چڑھے، نہ سفر کیا، نہ اونٹ کی پیٹھ پہ بیٹھے۔ان کو ثواب کیسے ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: **حَبَسَ ھم المرض او العُذرُ**۔ان کو یا تو مرض نے روک دیا، یا کوئی ایسا عذر تھا کہ وہ نہیں نکل سکے۔

آدمی کو ہمیشہ نیکی کی نیت رکھنی چاہیے۔کسی بزرگ کا قول ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ مجھے ایسا نسخہ بتائیں، کہ میں ہر وقت نیک کام کرتا رہوں اور میرا کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ میں نیک کام نہ کروں۔تو انھوں نے فرمایا: جو نیک کام تم کر سکتے ہو وہ تو کرو لیکن جب تم تھک جاؤ تو پھر نیکی کی نیت کرو کہ میں یہ نیک کام کروں گا۔جو کام بھی کرو، وہ نیکی کی نیت سے کرو۔اگر سونا چاہو تو اس لیے سو کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اندر اتنی قوت بھر دے کہ بس اس کی بندگی کر سکوں۔یہ بھی نیکی کا کام ہے۔اگر بچوں کو کھانا کھلاؤ، ان کے لیے کماؤ تو یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ فرض عائد کیا ہے۔یہ بھی نیکی کا کام ہے۔ان میں سے کچھ نہ کر سکو تو کم از کم یہ نیت رکھو کہ مجھے یہ نیک کام کرنا ہے۔مشہور واقعہ ہے، سید احمد شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے ایک حضرت یحییٰ تھے جنھیں انگریزوں نے بغاوت کے مقدمے میں گرفتار کیا اور پھانسی کی سزا دی۔پھانسی کی سزا پر وہ بہت خوش ہوئے تو انگریزوں نے کہا کہ اچھا یہ تو ایسی سزا ہے جس سے یہ خوش ہے، اس لیے یہ سزا نہیں دیں گے۔ان کو جیل میں بند کروا دیا۔ان

کی داڑھی مونڈی گئی تو ان کا حال یہ تھا کہ وہ داڑھی کے بال اٹھا اٹھا کر کہتے کہ اے داڑھی! تو اللہ کی راہ میں مونڈی گئی۔ جیل میں نماز جمعہ کی اجازت نہ تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جمعہ کے دن وہ غسل کرتے تھے، اچھے کپڑے پہنتے تھے، عطر لگاتے تھے اور جیل کے دروازے تک جاتے تھے، جیلر ان کو روک دیتا تھا کہ اب آپ نہیں نکل سکتے، تو وہ واپس آجاتے تھے۔ اس عمل سے ان کی نماز جمعہ کے پورے ثواب کی نیت تھی کہ جتنا میں کرسکتا تھا، میں نے کیا۔ غسل کیا، کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، چل کر دروازے تک گیا۔ وہاں پر روکنے والے نے روک دیا۔ آگے تو میں نہیں جاسکتا۔

یہ نیکی کی نیت رکھنا، اور جتنا کام کرسکے اس کو کرنا، یہ خود اس کے اندر شامل ہے۔ اس کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ بہت سارے نیک اعمال ہوتے ہیں جن میں نیکی کے بہت سارے پہلو ہوتے ہیں۔ مثلاً امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں شمار کرایا ہے کہ آدمی اگر مسجد نماز پڑھنے کے لیے جائے تو وہ تقریباً نو دس اعمال کی نیت کرسکتا ہے۔ وہ نماز پڑھنے کی نیت بھی کرسکتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں نکلنے کی نیت بھی کرسکتا ہے، وہ چند لمحات اللہ کے لیے معتکف ہونے کی نیت بھی کرسکتا ہے، وہ وہاں اللہ کے بندوں سے ملاقات کی نیت بھی کرسکتا ہے، وہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی نیت بھی کرسکتا ہے۔ انھوں نے تقریباً نو دس باتیں شمار کروائی ہیں۔ آدمی اگر ان سب کی نیت کرلے تو ان سب کا ثواب اسے مل سکتا ہے۔ اس طرح آدمی ایک ہی عمل میں نیت کے ذریعے بے شمار اعمال کا ثواب جمع کرسکتا ہے۔

اس ایک حدیث کے اور بھی بہت سارے پہلو ہیں جو ہمیں سامنے رکھنا چاہییں۔ لیکن اصل بات جو اس میں ہمارے لیے ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اعمال کی قدر و قیمت بنانے اور ان کو وزنی کرنے کی فکر کریں۔ قیامت کے روز عمل تو سب لے جائیں گے۔

سب کے ساتھ ترازو قائم کردی جائے گی۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا (الانبیاء ۲۱: ۴۷) ''قیامت کے روز ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا''۔ لیکن اعمال کی کیا قیمت ہے، یہ تو ہم اور آپ طے نہیں کر سکتے۔ اسے ناپنے کے پیمانے تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہم گیہوں ناپ سکتے ہیں، تول سکتے ہیں، چاول تول سکتے ہیں، سونے کو تول سکتے ہیں، چاندی کو تول سکتے ہیں، لیکن نماز کو، روزے کو، سچ بولنے کو، وعدہ پورا کرنے کو، بندوں کے حقوق ادا کرنے کو ناپ تول نہیں سکتے۔ ان کا وزن تو اللہ تعالیٰ دوسری ہی دنیا میں کرے گا۔ یہ زمین و آسمان بدل جائیں گے۔ زمین بھی بدل جائے گی۔ اُس دنیا میں پتھر کا وزن نہیں ہوگا، سونے کا نہیں ہوگا، ڈالر کی قیمت نہیں ہوگی، پاؤنڈ کی قیمت نہیں ہوگی۔ وہاں کی کرنسی نیک اعمال ہوں گے۔ جو چیز ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ترازو میں وزنی بنائے گی، وہ یہ ہے کہ یہ کس نیت سے کیے گئے ہیں۔ اگر غلط نیت سے کیے گئے تھے تو اٹھا کر منہ پر مار دیے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں بہت واضح اور صاف ہے۔

ہم بہت سارے نیک کام کرتے ہیں۔ کوئی جمعہ کی نماز کے لیے آئے، یہ بھی ایک نیک کام ہے۔ پانچوں وقت کی نماز بھی ایک نیک کام ہے۔ غریبوں کی خدمت، بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی یہ سب نیک کام ہیں۔ اگر آپ اس حدیث سے اپنی زندگی کے لیے کوئی رہنمائی یا روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ یہ طے کرلیں کہ آپ جو کام بھی کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ مال خرچ کریں، نماز پڑھیں، سوائے اس کے کوئی اور نیت آپ کی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو۔ یہ چیز آپ کے اعمال کو صحیح بھی رکھے گی، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی بنائے گی۔

اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، وہ بظاہر ایک چھوٹی سی بات ہے، ایک معمولی سا مطالبہ ہے۔ لیکن نیت میں خرابی آجاتی ہے۔ بہت ساری چیزیں اس کے اندر آکر مل جاتی ہیں۔ آدمی ان کا علاج کرسکتا ہے۔ اپنی توجہ کو اللہ کی طرف کرسکتا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ یہ کہ آپ اللہ سے ملاقات کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھیں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ یہاں کا اجر تو عارضی ہے، اصل اجر تو وہاں کا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو دراصل بنیادی بات ہے۔ اس کو یاد رکھنے سے آپ کی نیت خالص رہے گی۔ آپ کوئی کام اس لیے نہیں کرتے کہ صبح وہ آپ کا مقام بنائے اور شام کو ڈھے جائے اور کچھ اس کا باقی نہ رہے۔ یہ تو آپ نہیں کریں گے۔ آپ یہ نہیں کرتے کہ یہ جانتے ہوئے تجارت کا محل تعمیر کریں کہ رات تک سارا نفع نقصان میں چلا جائے گا، بلکہ آپ تو وہ کام کرتے ہیں جس کا نفع باقی رہنے والا ہو۔ مکان آپ اچھی جگہ بناتے ہیں، سنگ مرمر لگاتے ہیں، اچھا فرنیچر بنواتے ہیں کہ زندگی بھر تو مکان رہے گا۔ آپ ایسی چیزوں کے لیے کام کرتے ہیں جو فنا ہونے والی ہیں۔ تو جب وہ چیز فنا ہوگی تو کام بھی فنا ہوگا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کہی ہے۔ **کل من علیھا فان ط ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلال والا کرام.** ہر چیز فنا ہوجائے گی، دنیا کی شہرت عزت جس کے لیے بھی آپ کام کریں گے، ان میں سے کوئی باقی نہیں رہیگا، باقی صرف بزرگی اور شان والے تیرے رب کا چہرہ رہے گا۔ **کل شئی ھالك الا وجھہ** ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، اللہ کا چہرہ، اس کی خوشنودی، اس کی رضا باقی رہنے والی چیز ہے۔ اگر آپ نے اپنے اعمال کو اس باقی رہنے والی چیز کے ساتھ باندھ دیا تو وہ چیزیں تو فنا ہوجائیں گی۔

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے ستاروں کو دیکھا اور کہا کہ یہ رب ہیں۔ ستارے ڈوب گئے۔ چاند کو دیکھا اور کہا: یہ میرا رب ہے۔ چاند بھی ڈوب گیا، پھر سورج کو دیکھا تو کہا: نہیں، یہ میرا رب ہے۔ پھر سورج بھی غروب ہوگیا تو فرمایا: اِنِّی

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔جو چیزیں ڈوبنے والی ہیں میں ان کے پیچھے کیوں دوڑوں؟اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْن (الانعام ۶:۷۹)۔انھوں نے تو اپنی پوری شخصیت اور پوری زندگی کا رخ اللہ کی طرف کر دیا۔میں نے اپنے چہرے کا رخ اس کی طرف کر دیا جوزمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ایک ایک عمل کی نیت نہیں بلکہ پوری زندگی کا رخ،جس طرح نماز میں رخ قبلے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح سے پوری زندگی کا رخ اللہ کی طرف،اللہ کے چہرے کی طرف، اس کی ذات کی طرف،اس کی خوشنودی کی طرف اوراس کی رضا کی طرف کر دیا۔اس طرح پھر ہر عمل ٹھیک ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہی بنیادی تعلیم دی گئی ہے۔اس لیے اس حدیث کوثلث دین یعنی ایک تہائی دین کہا جاتا ہے۔اس پر پورے دین کا مدار ہے۔ہم اتنے سارے کام کرتے ہیں،ان کا مقبول ہونے یا نہ ہونے کا پورا انحصار اس پر ہے کہ ان کے پیچھے نیت کیا ہے؟ہم اعمال کی نیت درست کریں اور ابراہیمؑ کی طرح جو چیزیں ڈوبنے والی،ختم ہونے والی، ہلاک ہونے والی،فنا ہونے والی ہیں ان کی خاطر کام کرنے کے بجائے اس کے لیے کام کریں جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)



جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے، اس کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اعمال کی جزا وسزا کا دارومدار انسان کی نیت پر مبنی ہے اور ہر انسان کے لیے اس کے عمل میں وہ کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے تو واقعتاً اس کو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کا ثواب میسر آئے گا اور جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہے تو اس کے حصے میں وہی آئے گا جس کے لیے اُس نے وطن چھوڑا۔

(بخاری، مسلم)